مقالات

دعوتِ حق کے مراحل

(۳)

تیسرا مرحلہ ـــــ جنگ

دعوتِ حق کے سلسلہ میں جنگ کی نوبت اس وقت آتی ہے جب تبلیغ اور شہادت علی الناس اور ہجرت کے مرحلے گزر چکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی جنگ کے لیے چند ضروری شرطیں ہیں، جب تک یہ شرطیں پوری نہ ہوں اہل حق کے لیے تلوار اٹھانا اور زمین میں خونریزی کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ جلد بازی سے ایسا کر بیٹھیں تو ان کا یہ فعل ایک مفسدانہ فعل ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب پانا تو الگ رہا الٹے اندیشہ اس بات کا ہے کہ ان سے مواخذہ ہو جائے اور وہ فساد فی الارض کے مجرم قرار پائیں۔

یہ شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کیا جائے ان پر پہلے پوری طرح حق کی تبلیغ کر دی جائے۔ اس تبلیغ کے بغیر کسی قوم کے خلاف اعلان جنگ ناجائز ہے۔ اس کلیہ سے صرف وہ جنگ مستثنیٰ ہے جو مدافعت و حفاظت میں ہو۔ دفاعی جنگ، ہر حالت میں لڑی جا سکتی ہے۔ افراد بھی لڑ سکتے ہیں اور جماعتیں بھی لڑ سکتی ہیں۔ یہ جنگ تبلیغ کی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ جب بھی کسی کے جان و مال و آبرو پر کوئی حملہ ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی حفاظت میں جو قوت بھی اس کے پاس بروقت بہم ہو اس کو استعمال کرے۔ اس میں اگر وہ مارا جائے گا تو اس کو شہادت حاصل ہوگی، اور اگر حملہ آور حریف مارا جائے گا تو اس پر دوہرا گناہ ہوگا۔ ایک اس بات کا کہ اس نے اپنی جان ایک معصیت اور حق تلفی کی

دنیا میں ہلاک کی۔ دوسرا اس بات کا کہ اس نے ایک واجب حق کی تلوار خون سے آلودہ کرائی۔ باقی رہی جارحانہ جنگ تو وہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک متقدم الذکر شرط تبلیغ پوری نہ ہولے۔ لیکن اس تبلیغ کی دو صورتیں ہیں اور ان دونوں صورتوں میں جنگ کے احکام کی نوعیت کچھ مختلف ہو جاتی ہے۔

الف۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ تبلیغ نبی کے ذریعہ سے ہو۔ نبی، تبلیغ اور اتمام حجت کا کامل ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعہ سے اتمام حجت کی تمام شرطیں کمال درجہ پوری ہو جاتی ہیں۔ اس عالم اسباب میں عقل انسانی کو مطمئن کرنے کے لیے جو کچھ ممکن ہے وہ بہتر سے بہتر طریق پر ایک نبی پورا کر دیتا ہے اور اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ اس کو تمام اسباب و وسائل سے مسلح کرکے بھیجتا ہے۔ وہ قوم کے اندر کا بہترین شخص ہوتا ہے۔ اعلیٰ ترین حسب و نسب کے ساتھ اٹھتا ہے۔ وہ نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی پاکیزہ ترین اخلاق کا مظہر ہوا کرتا ہے۔ جھوٹ، بہتان، مکاری، بد معاملگی، ادعائے برتری اور خواہش نفوذ کی آلودگیوں سے اس کا دامن بالکل پاک ہوتا ہے اور اس کی ان خوبیوں کی شہادت جس طرح اس کے دوست دیتے ہیں اسی طرح اس کے دشمنوں کو بھی اس کے ان خصائص سے انکار کی مجال نہیں ہوتی۔ وہ بہترین عام فہم زبان میں اپنی دعوت پیش کرتا ہے اور اس دعوت کو قوم کے بچہ بچہ تک پہنچا دینے کے لیے اپنے رات دن ایک کر دیتا ہے۔ اس کی تعلیم عقل و استدلال کے اعتبار سے اتنی محکم اور مضبوط ہوتی ہے کہ کوئی مخالف سے اس کا جواب بن نہیں آتا۔ اس کے فیض تعلیم و صحبت سے لوگوں کی زندگیاں یکسر بدل جاتی ہیں ـــــ ظالم اور مفسد حق شناس اور عدل پسند ہو جاتے ہیں، ڈاکو اور رہزن نیکوکار اور امن پسند ہو جاتے ہیں، زانی اور بدمعاش عفیف اور پاکدامن بن جاتے ہیں، شرابی اور جواری پاکیزہ اخلاق اور خدا ترس ہو جاتے ہیں ـــــ وہ جو کچھ کہتا ہے پہلے اس کو خود کرکے دکھاتا ہے اور جس قانون و نظام کا داعی ہوتا ہے اس کا سب سے زیادہ پابند و مطیع وہ خود ہوتا ہے۔ وہ اپنی دعوت کی حقیقت کا اپنے ساتھیوں کی زندگی میں بھی مظاہرہ کراتا ہے۔ وہ لوگوں کے مطالبہ پر معجزے بھی دکھاتا ہے۔ ان تمام وجوہ سے ایک نبی کی تبلیغ اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہے اور جب کسی قوم پر نبی کے ذریعہ سے اتمام حجت ہو چکتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی قوم کے منکرین حق کو جینے کی مہلت نہیں دیتا۔ بلکہ لازمی طور پر دو باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ہو کے رہتی ہے۔ اگر حق کو قبول کرنے والے تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں اور قوم کا بڑا حصہ منکر و مخالف رہ جاتا ہے تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو الگ کر لیتا ہے اور منکرین و مخالفین کو کوئی ارضی و سماوی عذاب بھیج کر فنا کر دیتا ہے۔ حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہ کی قوموں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اور اگر منکرین کی طرح مومنین کی تعداد بھی معتدبہ اور معقول ہوتی ہے تو اس صورت میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ منکرین کے خلاف اعلان جنگ کریں اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رکھیں جب تک یہ منکرین توبہ کر کے خدا کے دین کو قبول نہ کر لیں یا ان کی نجاست سے خدا کی زمین پاک نہ ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتمام حجت کے بعد بنی اسمٰعیل کے خلاف اسی قسم کی جنگ کے اعلان کا حکم دیا گیا۔

یہ قانون جس اصل پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کے انبیاء اس کے قانون عدالت کے مظہر ہوتے ہیں۔ وہ زمین میں خدا کی عدالت بن کر آتے ہیں۔ اور ان کی بعثت کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حق و باطل میں فیصلہ ہو جائے۔ اہل حق کامیاب و فائز المرام ہوں اور اہل باطل ناکام و نامراد ہوں۔ اور چونکہ اس طرح کی جزا و سزا کے لیے ضروری ہے کہ سزا پانے والوں پر خدا کی حجت پوری طرح تمام کر دی جائے اس وجہ سے انبیاء کرام اتمام حجت کے تمام شرائط کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔ یہ شرطیں جب پوری ہو جاتی ہیں تو خدا کا قانون ان لوگوں کو جینے کی مہلت نہیں دیتا جو ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سزا چونکہ اس اتمام حجت کے بعد دی جاتی ہے جس کے بعد اس دنیا میں اتمام حجت کا کوئی اور درجہ باقی نہیں رہ جاتا اس وجہ سے اس کو جبر و اکراہ نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ یہ عدل و انصاف کا عین مقتضیٰ ہے۔ انبیاء کے ذریعہ سے اتمام حجت ہو چکنے کے بعد بھی جو لوگ اللہ کے دین کو قبول نہیں کرتے ان کے لیے اگر کوئی اور چیز باقی رہ جاتی ہے تو وہ یہ کہ غیب کے پردے اٹھا دیے جائیں اور ان کو تمام حقائق کا آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا جائے لیکن اس طرح کا کشف حجاب اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے خلاف ہے جو اس دنیا میں جاری ہے۔ اس دنیا میں

ہم سے ایمان واسلام کا مطالبہ عقل واستدلال کی بنا پر کیا گیا ہے نہ کہ مشاہدہ اور معائنہ کی بنا پر۔ اس ذریعہ سے عقل واستدلال کے لیے جو کچھ مطلوب ہے جب انبیاء کے واسطے سے وہ مل چکتا ہے تو اس کے بعد مہلت دینے کے کوئی معنی نہیں۔ اور اس کے بعد سزا دینے میں جبر کا بھی کوئی پہلو نہیں ہے۔

ب۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ تبلیغ صالحین امت کے ذریعہ سے ہو۔ صالحین کے ذریعہ سے اس درجہ کا اتمام حجت ممکن نہیں ہے جس درجہ کا اتمام حجت انبیاء کے ذریعہ سے ممکن ہے۔ نہ یہ ان اسباب و وسائل ہی سے پوری طرح بہرہ مند ہوتے جو انبیاء کے پاس ہوتے ہیں۔ اور نہ ان کی ذہنی اور قلبی صلاحیتیں ہی وہ ہو سکتی ہیں جو حضرات انبیائے کرام کی خصوصیات میں سے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا شبہات اور بدگمانیوں سے اس درجہ بالاتر ہونا بھی ناممکن ہے جس درجہ انبیائے معصومین ان چیزوں سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ منکرین حق کے خلاف جو جنگ کرتے ہیں اس کی غایت صرف عدل اور امن کا قیام ہے۔ ان کو صرف یہ حق حاصل ہے کہ جو لوگ خدا کے دین کو قبول نہ کریں ان سے جنگ کرکے اس سیاسی طاقت کو چھین لیں جو ان کی بیماریوں کو دوسرے بندگان خدا تک متعدی کر سکتی ہے۔ اور جیسے ہی ان کا یہ مقصد پورا ہو جائے اسی حد پر ان کو رک جانا چاہیے۔ اس حد سے آگے بڑھنے کی ان کو اجازت نہیں ہے۔ اگر اس حد معین سے ایک قدم بھی وہ تجاوز کر جائیں تو اس پر خدا کے ہاں وہ باز پرس کے مستحق ہوں گے۔ اسی طرح کی جنگیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحاب کے زمانہ میں ہوئیں۔ صحابہ اپنے مخالفوں کے سامنے تین متبادل چیزیں پیش کرتے تھے۔ ایک یہ کہ اسلام لاؤ اور اسلام لا کر ہر چیز میں ہمارے برابر کے شریک وسہیم بن جاؤ۔ دوسری یہ کہ اسلامی حکومت کی رعایا بن جاؤ اور ایک متعین ٹیکس ادا کرکے اپنے پرسنل لا کے سوا تمام امور میں ہمارے نظم کی اطاعت کرو۔ تیسری یہ کہ ہمارے اعلان جنگ کو قبول کرو۔ اس صورت میں اگرچہ یہ گمان ہوتا ہے کہ صحابہ کی یہ تبلیغ نہایت اجمالی تھی اور وہ اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ دین حق کو لوگوں کے سامنے نہیں پیش کرتے تھے جس تفصیل و وضاحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا یا جس تفصیل و وضاحت کے ساتھ اس کو اچھی طرح دل نشین کرنے کے لیے پیش کرنا ضروری ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اصل یہ ہے

کہ صحابہ کے زمانہ میں ایک نظامِ حق عملاً قائم ہو چکا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوت میں موجود نہیں تھا اس وجہ سے صحابہ اسلام کی تفہیم کے لیے کسی تفصیلی تبلیغ سے مستغنی تھے۔ ان کا قائم شدہ نظامِ حق خود اس حقیقت کے اظہار کے لیے کافی تھا کہ اسلام کیا ہے اور وہ بندگانِ خدا سے ان کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں کن باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس عملی نظام کی وجہ سے ہر حقیقت ان کے زمانہ میں نمایاں اور ہر بات واضح تھی۔ عقیدہ ہو یا عمل، معاشرت ہو یا سیاست ہر چیز ایک مکمل حیاتِ اجتماعی کے پیکر میں دنیا کی نگاہوں کے سامنے موجود تھی اور ہر شخص اس کو آنکھوں سے دیکھ کر یہ معلوم کر سکتا تھا کہ اسلام کا ظاہر و باطن کیا ہے اور وہ کن اعتبارات سے دنیا کے تمام نظاموں پر فوقیت رکھتا ہے اور کیوں اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ باقی رہے اور اس کے سوا دنیا کے سارے نظام مٹ جائیں۔ اس طرح کا نظام جب بھی دنیا میں قائم موجود ہو تو وہ اہلِ حق کو تفصیلی دعوت کی ضرورت سے بے نیاز کر دے گا اور پھر اس کے قیام کی وجہ سے اہلِ حق کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ لوگوں سے اس کی اطاعت کا مطالبہ کریں اور اگر لوگ اس مطالبہ سے انکار کریں تو وہ ان سے جنگ کر کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے پر مجبور کریں۔ اسلام عدمِ اتمامِ حجت کی شکل میں، جو غیر انبیاء کی دعوت میں متصور ہے، لوگوں تک اس انفرادی حق کو تو تسلیم کرتا ہے کہ وہ جس عقیدہ و مذہب پر چاہیں قائم رہیں لیکن وہ کسی گروہ کے لیے یہ حق تسلیم نہیں کرتا کہ وہ کسی غیر عادلانہ نظامِ حیات کو لوگوں پر بجبر مسلط کرے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ جنگ صالحین کے ذریعہ سے لڑی جائے کیونکہ اسلامی جہاد دنیا کو فساد سے پاک کرنے کے لیے ہے اس وجہ سے ان لوگوں کا جہاد کے لیے اٹھنا کوئی معنی نہیں رکھتا جو خود فساد سے آلودہ ہوں۔ یہ کام صرف انہی لوگوں کے کرنے کا ہے اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہیں جو سو فیصدی اس مقصد پر ایمان رکھتے ہوں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ تلوار اٹھائیں اور ان ہی لوگوں کی جنگ جہاد فی سبیل اللہ کے الفاظ سے تعبیر کی گئی ہے یہ لوگ اگر اس راہ میں مارے جائیں تو شہید ہوتے ہیں، اور اگر زندہ رہتے ہیں تو غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ کے لقب کے مستحق ہیں۔ جو لوگ اس حق و عدل پر ایمان نہ رکھتے ہوں جس کے قیام کے لیے

جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کو اسلام ہرگز یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی ایک متنفس کا بھی خون بہائیں اور اگر وہ بہائیں گے تو ان کا یہ فعل ایک مفسدانہ فعل ہوگا اور اس پر ان سے مواخذہ ہوگا۔ اسلامی فوج کرایہ کے آدمیوں سے نہیں بنتی بلکہ وہ ایسے لوگوں سے مرکب ہوتی ہے جو اسلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی کی خاطر لڑتے مرتے ہیں۔ اسلامی نظام کی یہ عین فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ صرف اپنے معتقدین ہی کے ذریعہ سے برپا ہو اور وہی لوگ اس کے برپا کرنے میں ساعی ہوں جو یہ سعی محض رضائے الٰہی کے حصول اور اقامت حق کی خاطر کریں نہ کسی دنیوی مفاد کی خاطر۔ اگر ان کی سعی میں حصول رضائے الٰہی اور اقامت حق کے پاک جذبہ کے سوا کوئی اور جذبہ شامل ہو جائے تو صرف یہ کہ ان کی اس سعی کی اسلام کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ جو خون بھی اس سلسلہ میں انھوں نے بہایا ہے اس کا وبال ان کی گردن پر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام نے جہاد کے اعلان سے پہلے اس فرض کے لیے صالحین کی جماعت بنائی۔ کرایہ کے آدمیوں کی کوئی فوج نہیں مرتب کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات کے سلسلہ میں بعض ایسے مواقع بھی پیش آئے کہ ایسے لوگوں نے آپ کی حمایت میں لڑنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں جو اسلام پر عقیدہ نہیں رکھتے تھے تو آپ نے ان کی پیشکش قبول نہیں فرمائی اور صاف فرما دیا کہ ہم اس کام میں ان لوگوں کی مدد سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے جو اس مقصد پر ایمان نہ رکھتے ہوں جس مقصد کے لیے یہ لڑائی لڑی جا رہی ہے۔ حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام نے جو غزوات کیے وہ بھی تمامتر مومنین صالحین کے ذریعہ سے کیے۔

یہی بات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے کہ ان کے زمانوں میں بھی جتنے غزوات ہوئے سب انہی لوگوں کے ذریعہ ہوئے جو اعتقاداً و عملاً اس چیز کو تسلیم کرتے تھے جس کو برپا کرنے کے لیے انھوں نے تلوار اٹھائی تھی۔ اور باوجودیکہ ان کے اثرات بہت وسیع تھے اور وہ چاہتے تو آسانی سے کرایہ کی فوج جمع کر لیتے لیکن نہ صرف یہ کہ انھوں نے کرایہ کی کوئی فوج نہیں بھرتی کی بلکہ خود اپنی بھی کوئی تنخواہ دار مستقل فوج نہیں قائم کی۔ جب جنگ کی ضرورت پیش آجاتی ہر شخص خود اپنا توشہ اور

اپنی سواری لے کر نکلتا اور محض اقامت دین کی خاطر جہاد کرتا اور احتیاط اور تقویٰ کی یہ شان تھی کہ عین اس وقت جب کہ دشمن سے ردوبدل ہو رہی ہوتی اگر کسی کے دل میں یہ خطرہ بھی گذر جاتا کہ اس وقت حصول رضائے الہٰی کے جذبہ کے سوا کسی اور نفسانی جذبہ سے وہ مغلوب ہوگیا ہے تو فوراً اپنی کھنچی ہوئی تلوار میان میں کرلیتا کہیں بادا یہ کسی انسان کا خون نفس کو خوش کرنے کے لیے بہا دے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ یہ جنگ ایک باختیار و با اقتدار امیر کی قیادت و امارت میں لڑی جائے۔ باختیار و با اقتدار امیر سے مطلب یہ ہے کہ اس کا اقتدار اپنی جماعت پر بزور قوت قائم ہو۔ وہ لوگوں پر شریعت کے احکام نافذ کرکے اس کی اطاعت پر لوگوں کو مجبور کرسکتا ہو اور خدا کے سوا کسی اور بالاتر اقتدار کا وہ محکوم نہ ہو۔ اس شرط کا سب سے زیادہ واضح ثبوت یہ ہے کہ انبیاء کرام میں سے کسی نے بھی اس وقت تک جہاد کا اعلان نہیں کیا جب تک انھوں نے ہجرت کرکے اپنی جماعت کو کسی آزاد علاقہ میں منظم نہیں کرلیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے بھی اس چیز کا ثبوت ملتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے۔ بعد کے زمانوں میں بھی جن لوگوں نے انبیاء کے طریقہ پر یہ فرض انجام دینے کی کوشش کی — مثلاً حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید — انھوں نے بھی اس امر کو پیش نظر رکھا اور ایک آزاد علاقہ میں پہنچ کر پہلے اپنی ایک باختیار امارت بھی قائم کی اور اپنی جماعت کی تنظیم کرکے اس کے اندر شریعت کے تمام احکام و قوانین کا نفاذ بھی کیا۔

اس شرط کی دو وجہیں ہیں:

الف۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی باطل نظام کے اختلال و انتشار کو بھی اس وقت تک پسند نہیں کرتا جب تک اس بات کا امکان نہ ہو کہ جو لوگ اس باطل نظام کو مختل کررہے ہیں وہ اس کی جگہ پر کوئی نظام حق قائم بھی کرسکیں گے۔ انارکی اور بے نظمی کی حالت ایک غیر فطری حالت ہے بلکہ انسانی فطرت سے یہ اس قدر بعید ہے کہ ایک غیر عادلانہ نظام بھی اس کے مقابل میں قابل ترجیح ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی جماعت کو جنگ چھیڑنے کا اختیار نہیں

دیا ہے جو بالکل مبہم اور مجہول ہو، جس کی قوت و استطاعت غیر معلوم اور مشتبہ ہو، جس پر کسی ایک باختیار امیر کا اقتدار قائم نہ ہو، جس کی اطاعت و وفاداری کا امتحان نہ ہوا ہو، جس کے افراد منتشر اور پراگندہ ہوں، جو کسی نظام کو درہم برہم تو کر سکتے ہوں لیکن اس امر کا کوئی ثبوت انھوں نے بہم نہ پہنچایا ہو کہ وہ کسی انتشار کو مجتمع بھی کر سکتے ہیں۔ یہ اعتماد صرف ایک ایسی جماعت ہی پر کیا جا سکتا ہے جس نے بالفعل ایک سیاسی جماعت کی صورت اختیار کر لی ہو اور جو اپنے دائرے کے اندر ایک ایسا ضبط و نظم رکھتی ہو کہ اس پر "الجماعت" کا اطلاق ہو سکے۔ اس حیثیت کے حاصل ہونے سے پہلے کسی جماعت کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ "الجماعت" بننے کے لیے جدوجہد کرے اور اس کی یہ جدوجہد جہاد ہی کے حکم میں ہوگی لیکن اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عملاً جہاد بالسیف اور قتال کے لیے اقدام شروع کر دے۔

ب۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی جنگ کرنے والی جماعت کو انسانوں کے جان و مال پر جو اختیار حاصل ہو جاتا ہے وہ ایسا غیر معمولی اور اہم ہے کہ کوئی ایسی جماعت اس کو سنبھال ہی نہیں سکتی جس کے لیڈر کا اقتدار اس کے اوپر محض اخلاقی ہو۔ اخلاقی اقتدار اس امر کی کافی ضمانت نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے فساد فی الارض کو روک سکے۔ اس وجہ سے مجرد اخلاقی اقتدار کے اعتماد پر کسی اسلامی لیڈر کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دے دے ورنہ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ جب ایک مرتبہ ان کی تلوار چل جائے گی تو وہ حلال و حرام کے حدود کی پابند نہیں رہے گی اور ان کے ہاتھوں وہ سب کچھ ہو جائے گا جس کے مٹانے ہی کے لیے اس نے تلوار اٹھائی ہے۔ عام انقلابی جماعتیں جو مجرد ایک انقلاب برپا کرنا چاہتی ہیں اور جن کا مطمع نظر اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ وہ قائم شدہ نظم کو درہم برہم کر کے برسرِ اقتدار پارٹی کے اقتدار کو مٹائیں اور اس کی جگہ اپنا اقتدار جمائیں، اس قسم کی بازیاں کھیلتی ہیں اور کھیل سکتی ہیں۔ ان کے نزدیک نہ کسی نظم کا اختلال کوئی حادثہ ہے نہ کسی ظلم کا ارتکاب کوئی معصیت۔ اس وجہ سے ان کے لیے سب کچھ مباح ہے۔ لیکن ایک عادل اور حق پسند جماعت کے لیڈروں کو لازماً یہ

دیکھنا پڑتا ہے کہ جس نظم سے وہ خدا کے بندوں کو محروم کر رہے ہیں اس سے بہتر نظم ان کے واسطے مہیا کرنے کی وہ صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں اور جس ظلم کے مٹانے کے وہ درپے ہیں اس قسم کے مظالم سے اپنے آدمیوں کو بھی روکنے پر وہ پوری طرح قادر ہیں یا نہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ محض انتقامات کے اعتماد پر وہ لوگوں کے جان و مال کے ساتھ بازیاں کھیلیں اور جس فساد کو مٹانے کے لیے اٹھے ہیں اس سے بڑا فساد خود برپا کر دیں۔

۴۔ چوتھی شرط حصول قوت ہے لیکن صالحین کی جماعت کو اس کے لیے کوئی علیحدہ اہتمام کرنا نہیں پڑتا۔ اوپر جو تین شرطیں بیان ہوئی ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک پورے کر دینے سے ضروری قوت خود بخود بہم ہو جاتی ہے۔ ایک صحیح دعوت بہتر قوت و استعداد کے آدمیوں کو اپنے ارد گرد مجتمع کر لیتی ہے۔ ان کے واسطے سے سرمایہ بھی بہم ہو جاتا ہے اور ضروری وسائل کار یا ان کے پیدا کرنے کی قابلیتیں بھی فراہم ہو جاتی ہیں۔ پھر جب یہ جماعت کی شکل اختیار کرتے ہیں اور ایک آزاد ماحول میں اپنے آپ کو ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے ایک با اقتدار امیر کی اطاعت پر جمع کر لیتے ہیں تو ان کی اخلاقی اور معنوی قوت بھی دوچند ہو جاتی ہے اور مادی وسائل کے فراہم کرنے اور پیدا کرنے کے امکانات بھی وسیع تر ہو جاتے ہیں۔ پس جہاں تک حصول طاقت کی سعی کا تعلق ہے وہ فی الحقیقت ان شرائط کی تکمیل کے اندر ہی مضمر ہے۔ اس سے علیحدہ اس کے لیے کسی خاص مہم کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ تاہم جارحانہ جنگ کے لیے قوت کی شرط بھی ایک ضروری شرط ہے۔ اس کے بغیر کوئی جماعت جنگ کا اعلان کر دے تو وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی مجرم ہوگی۔

ان تمام شرائط کی نوعیت پر غور کرنے کے بعد یہ حقیقت آپ سے آپ واضح ہو جاتی ہے کہ کسی دعوت حق کے سلسلہ میں جنگ کا مرحلہ شہادت علی الناس اور ہجرت کے مراحل کے بعد کیوں آتا ہے؟ درحقیقت ان دونوں مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی وہ لوگ متعین ہو کر سامنے آتے ہیں جن سے اسلام میں جنگ جائز ہے اور ان مراحل سے گزر چکنے کے بعد ہی وہ جماعت بھی صحیح

معنوں میں وجود میں آتی ہے جس کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے امن و عدل قائم کرے۔ جو لوگ انبیاء کرام کی اس ترتیب کار سے واقف نہیں ہیں اور عام انقلابی جماعتوں کے طریق کار سے متاثر ہیں وہ اکثر ہم پر سست روی بلکہ بے عملی کا الزام لگاتے ہیں ان کو ان تمام مراحل کے فوائد اور نتائج پر غور کرنا چاہیے اور اس امر کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہم دنیا میں کوئی فساد برپا کرنے نہیں اٹھے ہیں بلکہ اصلاح کے ارادہ سے اٹھے ہیں۔

خریدارانِ ترجمان القرآن سے التماس

۱۔ چندہ کے منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ صاف اور خوشخط لکھیے (خصوصاً ڈاکخانہ اور ضلع کا نام انگریزی کے بڑے حروف میں درج کیجیے)۔ سابق نمبر خریداری بھی تحریر فرمایئے۔

۲۔ اگر کوئی اضطراری صورت حائل نہ ہو تو رسالہ ترجمان القرآن ہر انگریزی ماہ کی ۲۰ تاریخ کو باقاعدگی سے پوسٹ کیا جاتا ہے اور پوسٹ کرنے سے پہلے پوری ذمہ داری سے تمام پرچوں کی اور رجسٹر خریداری کے اندراج کی جانچ کر لی جاتی ہے۔ پس رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں اپنے ڈاک خانہ سے دریافت کیجیے۔ دفتر کسی خریدار کو دوبارہ کوئی پرچہ ۸ کے ٹکٹ موصول ہوئے بغیر روانہ نہ کرے گا۔

۳۔ وقتی طور پر اگر ایک دو ماہ کے لیے پتہ تبدیل کرانا ہو تو براہ کرم اپنے ڈاک خانہ کو نئے عارضی پتہ پر پرچہ Re-direct کرنے کی ہدایت کر دیا کیجیے اور مستقل طور پر پتہ بدلنا ہو تو رسالہ کے دفتر کو لکھیے۔ ورنہ بار بار اندراجات کو بدلنے سے دفتر باقاعدگی کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ نیز تبدیلیٔ پتہ کی فرمائش مہینے کی ۱۵ تاریخ تک دفتر کو پہنچ جانی چاہیے۔ جس میں پہلا پتہ اور نیا تبدیل شدہ پتہ دونوں نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ درج ہوں۔ یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ پتہ صاف اور خوشخط لکھا جائے، خصوصاً ڈاک خانہ اور ضلع کا نام انگریزی کے بڑے حروف (Block leters) میں درج ہوں تو زیادہ سہولت ہوگی۔

۴۔ اجرائے رسالہ کے لیے پیشگی چندہ بھیجیے یا وی پی کی اجازت دیجیے، قرض یا وعدے پر رسالہ جاری نہیں کیا جاتا ہے۔

۵۔ رسالہ ترجمان القرآن کے معاملات میں مرکز جماعت اسلامی کے کسی دوسرے شعبے کو مخاطب نہ کیجیے اور نہ دوسرے شعبوں سے متعلقہ امور ہمارے دفتر کے معاملات میں خلط ملط کر کے لکھیے۔

اگر خدانخواستہ آپ ان گذارشات کو نظر انداز کریں گے تو دفتر کی مجبورانہ کوتاہیوں کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

"منیجر"